انتخاب کلامِ ہوس

مرتبۂ

سید سلیمان حسین

اترپردیش اردو اکادمی لکھنؤ

مطبوعات: ۱۲۸

انتخاب
کلامِ ہوس

مُرتّبۂ

سید سلیمان حسین

اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ

© اتر پردیش اردو اکادمی

انتخاب کلام ہوس

سید سلیمان حسین

پہلا ایڈیشن : ۱۹۸۳

تعداد : ۱۰۰۰

قیمت : -/۴ روپے

ستیش چندر سریواستو، سکریٹری اتر پردیش اردو اکادمی نے نشاط پریس (ٹانڈہ) سے چھپوا کر بلہرہ ہاؤس، قیصر باغ، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۱ سے شائع کیا۔

پیش لفظ

مرزا محمد تقی ہوسؔ کو لکھنؤ کے دبستانِ شاعری کی آبرو کہنا چاہیئے۔ اس دبستان نے جہاں غزل گوئی کو لفظی صناعی اور فنّی طلسم آرائی کا ترجمان بنایا وہاں شعریت اور تغزّل کو نظر انداز بھی کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئے دور میں جب طلسمِ الفاظ کے بادل چھٹنے لگے تو اس دبستان کے اکتسابات کی داد دینے والے مشکل سے ہی ملتے تھے۔ لیکن یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ اس دبستان میں بعض ایسے شعرا بھی تھے جو شاعری کے آداب سے واقف تھے اور جن کا کلام شعریت و تغزل کے محک و معیار پر پورا اُترتا تھا۔ تقی ہوسؔ ان شاعروں میں سرِ فہرست ہیں۔ اُنھوں نے یہ ثابت کر دیا کہ فنّی لوازم کی پابندی کرتے ہوئے بھی غزل کی داخلیت، لہجے کی شیرینی اور جذبات کی طہارت برقرار رکھی جا سکتی ہے۔

اکادمی ڈاکٹر سید سلیمان حسین کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ اُنھوں نے ایک خطّی نسخے کی مدد سے کلامِ ہوسؔ کا انتخاب مرتّب کیا اور اُس پر ایک مفید مقدمہ لکھا۔

امید ہے کہ اکادمی کی دوسری مطبوعات کی طرح انتخابِ کلامِ ہوسؔ کو بھی حُسنِ قبول حاصل ہوگا۔

محمود الٰہی
چیرمین
مجلسِ انتظامیہ

اُترپردیش اُردو اکادمی
قیصر باغ۔ لکھنؤ
۱۵ر فروری ۱۹۸۳ء

مُقدّمہ

ہوسؔ لکھنوی کا شمار اُنیسویں صدی کے نصف اوّل کے باکمال شعرا میں ہوتا ہے۔ اُنھوں نے نہ صرف میرؔ، سوداؔ، میر حسنؔ اور مصحفیؔ کی شعری روایات کو برقرار رکھا، بلکہ اپنے ذہنِ رسا اور مینا کارِ فکر کی مدد سے غزل، قصیدہ، مثنوی اور دیگر اصنافِ سخن کو وسعت و بلندی بھی عطا کی، جس کی وجہ سے آیندہ کے لیے نئے تجربات و نئے امکانات کے لیے زمین ہموار و زرخیز ہوگئی۔

ان کا نام مرزا محمد تقی خاں اور تخلص ہوسؔ ہے وہ افتخارُ الدّولہ نوّاب مرزا علی خاں بہادر دلاور جنگ کے بیٹے اور محمد شاہ بادشاہ کے دیوانِ خالصہ مومتن الدّولہ محمد اسحاق خاں شوستری کے پوتے تھے۔ اس طرح ہوسؔ نوّاب آصف الدّولہ بہادر کے حقیقی ماموں زاد بھائی ہوتے ہیں۔ سلسلۂ نسب حضرت علیؑ کے سپہ سالار مالک اشتر علیہ رحمتہ پر منتہی ہوتا ہے۔[1]

مصحفیؔ نے ہوسؔ کا ذکر تذکرۂ ہندی گویان (۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ء) کے بجائے اپنے دوسرے تذکرے ریاض الفصحا میں کیا ہے اور اُن کی عمر چالیس سال سے

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتاب "لکھنؤ کے چند نامور شعرا" (جلد اول)

متجاوز بتائی ہے۔ بعض قرائن سے پتا چلتا ہے کہ صاحب تذکرہ نے ان کا حال آغازِ تذکرہ یعنی ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء میں لکھا ہوگا۔ اس حساب سے ہوسؔ کی پیدائش ۱۱۸۰/۱۷۶۶ء کے لگ بھگ فیض آباد میں ہونا چاہیئے۔

ہوسؔ آغازِ جوانی ہی سے شعر و سخن کی طرف مائل تھے۔ اور میر حسنؔ (متوفی محرم ۱۲۰۱ھ/اکتوبر ۱۷۸۶ء) سے اپنے کلام پر اصلاح لیتے تھے۔ ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۲ء میں وہ مصحفیؔ کے شاگرد ہوئے۔

تذکروں میں ہوسؔ کو نہایت ذی علم لکھا گیا ہے اور اُن کے اخلاق و عادات کی تعریف کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں سعادت خاں ناصرؔ نے یہ بھی بتایا ہے کہ میر حسنؔ، عیشیؔ اور مصحفیؔ اُنھیں کی سرکار میں ملازم تھے۔ ناصرؔ کا بیان یہ ہے:۔

"شاعر مسیحی نفس، نواب مرزا محمد تقی خاں تخلص ہوسؔ، خلف الصدق نواب مرزا علی خاں، زیورِ فضل و کمال سے آراستہ اور پیراستہ، حسب اور نسب اُن کا محتاج شرح و بیان کا نہیں۔ چند شاعر ہمیشہ اس سرکار میں مثلِ میر حسنؔ و طالب علی خاں عیشیؔ و میاں مصحفیؔ نوکر رہے ــــ قصہ کوتاہ مثنوی لیلیٰ و مجنوں اور دیوان مع قصائد اس امیر نامدار سے یادگار ہے۔"[۵]

ہوسؔ کو مُشاعرے کرنے کا بھی شوق تھا۔ جن میں اُس زمانے کے ممتاز شعراء شریک ہوتے تھے۔ مصحفیؔ نے ہمدمؔ کے ذکر میں ہوسؔ کے یہاں منعقد ہوئے ایک مُشاعرے کی دُھوم دھام کا تذکرہ کیا ہے، اور اس کی طرحی غزلیں کئی شاعروں کے انتخابِ کلام میں نقل کی ہیں۔ مرزا محمد علی بیگ نامی کسی شخص نے ان غزلوں کا

---

[۵] تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا مرتبہ مُشفق خواجہ۔ صفحہ ۴۵۲-۴۵۳

گلدستہ بھی ترتیب دیا تھا۔ محمد احمد احمد۔ اصغر علی خاں اعجاز۔ ذہین شاگرد دلگیر مرزا حجو عاشق۔ فرخ شاگرد ناسخ۔ فغاں۔ محسن۔ ہمدم اور مصحفی کے وہ اشعار جن کے قافیے گردن۔ چلمن وغیرہ اور ردیف "پر" ہے اُسی مشاعرے کی غزلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

ہوس کے سالِ انتقال کا کہیں پتا نہیں چلتا۔ صرف ابن امین اللہ طوفان نے ہوس کے ترجمے میں اُن کی وفات کا ذکر صراحت کے ساتھ کیا ہے۔ ابن طوفان کا بیان یہ ہے:۔

"میر تقی ہوس بہ لکھنؤ شخصے مشاق بود۔ مضمون سوز و گداز می گفت۔ روزے چند است کہ ازیں دار ہوس رفت"۔ [1]

تذکرۂ مذکور کا سنہ تصنیف کسی کو معلوم نہیں۔ جناب قاضی عبدالودود صاحب نے اس کے بعض مندرجات سے سالِ تصنیف ۵۔ ذی الحجہ ۱۲۴۷ھ اور رجب ۱۲۵۱ھ کے درمیان قرار دیا ہے۔ راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق ہوس کا انتقال ۱۲۵۱ھ/۱۸۳۵ء کے اوائل میں ہوا تھا۔

ہوس کا ضخیم کلیات جمیع اصنافِ سخن پر مشتمل ہے۔ دیوان کے قلمی نسخے ہند و پاکستان کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ ۱۹۴۳ء میں کانپور سے مولانا حسرت موہانی نے ہوس کے کلام کا مختصر انتخاب چھاپا تھا۔ مگر مکمل دیوان اب تک نہیں چھپ سکا ہے۔

ہوس شعرائے قدیم کی آخری یادگار تھے۔ ان کا سلسلہ مصحفی سے لے کر دبستانِ میر تک پھیلا ہوا ہے۔ لکھنؤ کے نشاطیہ ماحول، انشا، جرأت اور رنگین کی

---

[1] تذکرۂ شعرا ص ۱۷

خارجیت سے غیر شعوری طور پر متاثر ہونے کے باوجود میر تقی میر، سودا، میر سوز، میر حسن اور مصحفی کے تغزل کی شان کو جس خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ لکھنؤ میں ہوس نے نباہا ہے اُس کی مثال دوسری جگہ مشکل سے ملے گی۔ ان کے اشعار سادہ اور عام فہم ہوتے ہیں جن میں بلا کی دلکشی اور لطافت پائی جاتی ہے۔ اظہارِ جذبات، تازگیِ مضمون، چستیِ بندش، دلکش تشبیہات و کنایات اور خوبیِ زبان و محاورہ میں ہوس کا کلام آپ اپنی مثال ہے۔

لکھنؤ میں شیعیت کے عروج کے ساتھ ساتھ صوفیانہ شاعری کا زوال ہوتا گیا اور یہ خارجیت، ابتذال اور معاملہ بندی کا شکار ہوتی گئی۔ مگر درد نے اُردو میں تصوّف کی جو روایت قائم کی تھی، اُسے لکھنؤ میں مصحفی اور اُن کے بعض شاگردوں نے قائم رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہوس کے کلام میں تصوّف کا رنگ بھی اچھا خاصا پایا جاتا ہے ؎

عدم سے ترا شوق لایا ہمیں　　غرض تو نے یہ دن دکھایا ہمیں

اس واسطے کہ کوئی نہ ہو مجھ سا دوسرا
فرطِ کہنہ کا نشۂ وحدت سبب ہوا

خواہش نہ بقا کی تھی نہ خوفِ فنا ہم کو
ہستی سے ہوس صد چند بہتر تھا عدم اپنا

ہوس نے مختلف اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کر کے اُن کو یکساں طور پر سرسبز و شاداب کیا ہے۔ ان کے کلیات میں متعدد قصائد ہیں۔ بیشتر قصائد بزرگانِ دین کی شان میں کہے گئے ہیں۔ مضامین کی بلندی، مبالغے کا زور،

شکوہِ الفاظ اور زبان کی شگفتگی ہوسؔ کے قصائد کی عام خصوصیات ہیں۔ ہوسؔ اپنے زمانے کے بہترین قصیدہ گو تھے۔

مثنوی نگاری میں بھی انھیں کمال حاصل تھا۔ ہوسؔ کے معاصرین میں سعادت یار خاں رنگینؔ کے سوا اُن کے مرتبے کا کوئی دوسرا مثنوی نگار نہیں ملتا ہوسؔ سے دو مثنویاں یادگار ہیں:۔

۱۔ مثنوی لیلیٰ و مجنوں

۲۔ مثنوی گُل و صنوبر پری

موجودہ معلومات کے لحاظ سے لکھنؤ میں ہوسؔ سے قبل کسی شاعر نے "لیلیٰ مجنوں" کے عنوان پر مثنوی نہیں لکھی۔ یہ مثنوی پہلی بار مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۲۶۱ھ/ ۱۸۴۵ء میں شایع ہوئی تھی۔ اس کے بعد یہ اس قدر مقبول ہوئی کہ اب تک اس کے بیسیوں ایڈیشن چھپ کر شایع ہو چکے ہیں۔

ہوسؔ نے قصۂ لیلیٰ و مجنوں کو نظم کرتے ہیں پوری توجّہ اور مہارت صرف کی ہے۔ خصوصاً دلی جذبات و کیفیات کی مُرقع کشی میں اپنے کمالِ فن کا مُظاہرہ کیا ہے۔ دوسری مثنوی میں شہزادہ گُل اور صنوبر پری کے عشق کی داستان نظم کی ہے۔ یہ سحر البیان کے رنگ کی مثنوی ہے۔ اسی لیے اس میں مختلف قسم کے حسین بیانات ہیں۔ شہزادی کا حُسن و جمال، جذبات کی تشریح، شورشِ عشق اور فراق کا بیان، کنیزوں کے دلچسپ مشاغل، سیرِ دریا کی کیفیت، تہذیب کی مُرقع کشی، بزمِ شبی، باغ اور جنگ کے مناظر کی تفصیل و جُزئیات کے نظم کرنے میں ہوسؔ نے اپنی طبیعت کا زور صرف کیا ہے اور ان بیانات کو اپنے سحر نگار قلم کے ذریعے خوب سے خوب تر بنا دیا ہے۔ ہوسؔ اُردو کے صفِ اوّل کے مثنوی نگار تھے۔

زیرِ نظر انتخاب راقم الحروف نے اپنے ذاتی قلمی نُسخے کے مطابق تیار کیا ہے۔

کیفیت:۔

سائز (۱۲×۲۲ سینٹی میٹر) تعداد صفحات درج نہیں۔ خط نستعلیق۔ کاغذ عمدہ۔ مُجلّد۔ فی صفحہ ۱۵ سطریں۔ زمانۂ کتابت درج نہیں۔ تیرھویں صدی کا ربع آخر (قیاساً) سرورق کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخطوطہ نواب محمد فضل علی خان بہادر کی ملکیت رہ چکا ہے۔ اس نُسخے میں اوّلاً قصائد ہیں۔ اس کے بعد ردیف وار غزلیں ہیں۔ اس کے بعد رُباعیاں، مخمّسات اور ترکیب بند ہیں۔

آغاز ؎

نقوشِ کلکِ قسمت میں ہے اندیشہ کو حیرانی
پڑھا جاتا نہیں ہرگز کسی سے خطِ پیشانی

اختتام ؎

اُس سے اُلفت نہ کرو دیکھو ہوس جانے دو
چُپ رہو بہرِ خدا چُپ رہو بس جانے دو

۱۲۔ فروری ۱۹۸۳ء

سید سلیمان حسین
شعبۂ اُردو،
لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ۔

غزلیات

مہرِ معنی میں نے جب کاغذ پہ نُور افشاں کیا
مطلعِ صبحِ قیامت، مطلعِ دیواں کیا

اک تبسّم کو نہ فرصت لب تک آنے کی ملی
کس قدر اُس گل نے پاسِ خوبیِ دنداں کیا

سحر کاری خامۂ صنعت کی اُس کی دیکھیے
غُنچۂ دل تنگ کو جس نے گلِ خنداں کیا

در تلک اُس کے نہ پہنچا نقشِ پا کی طرح آہ
ناتوانی نے مجھے حسرت کشِ درباں کیا

واجب و ممکن کا مصدر ہے وہ ذاتِ ذوالجلال
جس نے کُن کہنے میں پیدا عالمِ امکاں کیا

سخت عاجز تھا میں ہر دم کی فغاں سے آفریں
خامشی تو نے علاجِ دردِ بے درماں کیا

خامۂ مانی ہوس کا کیوں نہ ہو حیران کار
صفحۂ کاغذ کو تو اُس نے نگارستاں کیا

ناحق کی اک بلا میں مجھے مبتلا کیا
اے آرزوئے حُسن بتا تو نے کیا کیا

سمجھے نہ ہم سرائے جہاں بے ثبات ہے
نقّارہ گرچہ کوچ کا ہر دم بجا کیا

وہ بعدِ قتل، خوں سے مرے سُرخ کر کے ہاتھ
بولا کہ ہم نے آج سے ترکِ حنا کیا

ہم روئے ساری عمر پہ خالی ہوا نہ دل
ایک آدھ اشک نزع کے دم تک بہا کیا

ہر چند ہجرِ یار نے لاکھوں ستم کیے
شکوے سے میں نے لب نہ کبھی آشنا کیا

دی مجھ کو دردِ عشق نے غم میں بھی اک خوشی
رونے پہ میرے دیر تلک وہ ہنسا کیا

سویا جو میرے گھر کبھی وہ مسرتِ خوابِ ناز
تلووں سے اس کے اپنی میں آنکھیں ملا کیا

راہِ جنوں میں ہم نے جو مارا قدم ہوس
مجنوں نے پاؤں پڑ کے مجھے پیشوا کیا

اے عشق قدم اب تو تری راہ میں ڈالا
الآن توکلتُ علی اللہ تعالیٰ

سب رازِ نہاں عشق کا مجھ پر تو عیاں ہے
ہوں پردۂ اسرار کا میں جھانکنے والا

آنکھوں سے لہو آنے لگا اشک کی جاگہ
نیرنگیٔ اُلفت نے عجب رنگ نکالا

اے جوشِ جنوں آبلوں کو پاؤں کے میرے
لذّت تو ذرا خارِ مغیلاں کی چکھا لا

رحمت ہے ہوسؔ تجھ کو کہ یہ بارِ محبّت
افلاک سے جب اُٹھ نہ سکا تو نے سنبھالا

شغلِ شبِ تنہائی کس سے کہیں ہم اپنا
دو چار گھڑی رو کر بہلاتے ہیں غم اپنا

ارمان ہے پیری میں رو رو کے بصد حسرت
لڑکوں سے جوانی کا قصّہ کہیں ہم اپنا

خواہش نہ بقا کی تھی نہ خوفِ فنا ہم کو
ہستی سے ہوسؔ اپنی بہتر تھا عدم اپنا

○

تم نے ظاہر میں گلے لگنے سے انکار کیا
خواب میں ہم نے تمھیں دیر تلک پیار کیا

دُھوپ قسمت کی ترے کوچے میں سر سے نہ گئی
لمعۂ حُسن نے کم سایۂ دیوار کیا

شرم کی اوٹ میں سب کام بنا جاتا تھا
ذوقِ بے پردہ نے رسوا سرِ بازار کیا

بیچ ڈالا ہے مجھے ہاتھ خوش اُسلوبوں کے
اس کا بندہ ہوں اُنھیں جس نے طرحدار کیا

خوں کا دعویٰ نہیں محشر میں بھی قاتل سے ہوس
میں مکر جاؤں گا اُس نے اگر اقرار کیا

○

منعم نہ ہو مغرور بنا کر کے عمارت
عالم نہیں دیکھا کبھی کیا قصرِ کُہن کا

اے دستِ جنوں کچھ تو موے پر بھی مدد کر
بدنامی وحشت ہے گریبان کفن کا

○

○

گو ہوسؔ یارانِ رفتہ کا بہت ماتم کیا
حقِ صحبت یاد کر جو کچھ کیا سو کم کیا

شوقِ دیدِ گُل کہاں اور عالمِ پیری کہاں
قصدِ سیرِ باغ ہم نے آہ بے موسم کیا

لالہ و گل کیسی محنت سے ہوئے تھے باغباں
ہائے کیا بادِ خزاں نے یہ ورق برہم کیا

جب گواہِ پاک دامانی نہ پایا شرم نے
چشمِ حیرت کو حریمِ عصمتِ مریم کیا

ہوں فنا لیکن فرو لا دیں نہ سر نازک مزاج
گردنِ مینا کو بارِ چرخ نے کب خم کیا

مانعِ گفتار تھی گاہے حیا گہہ بے خودی
دو گھڑی اُس سے قضا نے گر ہمیں باہم کیا

لُطف کیا تھا دخل دینا اپنے گھر میں غیر کو
درد کو کس واسطے دل کا مرے محرم کیا

یاد آئی رونقِ عہدِ جوانی وقتِ مرگ
دیکھ کر آئینہ ہم نے آپ اپنا غم کیا

ہوں میں وہ عاشق ہوسؔ سُن لیجو میری قبر پر
سورۂ اخلاص معشوقوں نے پڑھ کر دم کیا

دیوانہ کس قدر ہے یہ موسم شباب کا
تصویر کے لبوں سے ہوں خواہاں جواب کا

ایسا تو وصل ہو کہ نہ باقی رہے دوئی
بھاتا ہے مجھ کو موج سے ملنا حباب کا

اتنا تو روئیے کہ کہیں کاتب عمل
لو اشک نے بھگو دیا کاغذ حساب کا

دعویٰ تو کچھ نہیں ترا خدمت گزار ہوں
صاحب مرے بتا مجھے باعث حجاب کا

جگر پہ داغ ہوا یار کی جدائی کا
یہ داغ جی سے نہ جاوے گا آشنائی کا

برنگ غنچہ زباں لال ہو گئی میری
بیان کر نہ سکا تیری بے وفائی کا

پھنسا ہے زلف میں اس شوخ کے ہمارا دل
سبب نظر نہیں آتا کوئی رہائی کا

پھرے ہے دیدۂ پُرخوں میں بسکہ دستِ نگار
مژہ پہ رنگ ہے اُس پنجۂ حنائی کا
ہوس رکھوں ہوں میں عشقِ شرابِ شاہدِ شعر
مجھے گھمنڈ نہیں اپنی پارسائی کا

○

کچھ ہماری شورشیں اے بے قراری یاد ہیں
ضعفِ دل سے سانس لینا اب تو مشکل ہو گیا

○

وہ ہو نہ سکے معجزِ عیسیٰ سے بھی زندہ
مارا ہوا ہووے جو ترے لب کے فسوں کا

○

ذہن میں کچھ اے تصوّر کھینچ نقشہ یار کا
آج تک دیکھا نہیں مشتاق ہوں دیدار کا
اے حسینو! آبدِ خط میں نہیں لازم غُرور
شام ہونے آئی وقت آخر ہوا بازار کا
مُدتیں گزریں نہیں جاتا تمھارا اضطراب
کیا اسیرو! اب بھی نقشہ یاد ہے گلزار کا

اشتیاقِ وصل ہے تو کر گوارا رنجِ مرگ
پردۂ ہستی ہے حائل یار کے دیدار کا

○

غم و رنجِ ہستی بسر ہو چکا
چلو اب وطن کو سفر ہو چکا
کیا ہم کو حیرت نے تصویرِ وہم
ترا دور اے چشمِ تر ہو چکا
کہانی یہ اپنی رُلاتے تمھیں
یہ قصّہ ہی یاں مختصر ہو چکا
فقیروں کا ماوا و مسکن کہاں
جہاں تھک کے بیٹھے وہ گھر ہو چکا
اب آنکھوں سے آنسو نکلتے نہیں
مگر خشک خونِ جگر ہو چکا
جوانی یہ میری مُبدّل ہوئی
ہوس موسمِ شور و شر ہو چکا

○

میں بادیہ پیما نہیں مشتاق چمن کا
دیکھا ہی نہیں لُطف گُل و سرو و سمن کا

اے ہم سفراں بہرِ خدا یاد دلا دو
غُربت میں ہمیں بھُول گیا نام وطن کا

اے دستِ جنوں کچھ تو موے پر بھی مدد کر
بدنامی وحشت ہے گریبان کفن کا

دیوانہ ترا ضعف کی دولت سے غنی ہے
زنجیر کا محتاج نہ پابند رسن کا

کیوں درد نہ ہو نالۂ مرغانِ قفس میں
سیکھے ہیں ہوسؔ مجھ سے یہ انداز سخن کا

شوقِ خراشِ خار میرے دل میں رہ گیا
پائے تلاش پہلی ہی منزل میں رہ گیا

○

بیمارِ عشق ساتھ سب ارمان لے گیا
سوزِ غمِ فراقِ بُتاں جان لے گیا

غش ہوں گے گُل اگر کوئی جھونکا نسیم کا
بُلبُل میں بوئے زُلفِ پریشان لے گیا

○

کیوں عشق سے دعویٰ نہ کروں قیس کے خوں کا
اب سلسلہ جنباں ہوں میں زنجیرِ جُنوں کا

جب آہ میں کرتا ہوں تو چھا جاتا ہے اک ابر
کس رتبہ کو پہنچا ہے دھواں سوزِ دروں کا

بے چین ہو ایسا کہ کبھی نیند نہ آوے
افسانہ سُنے گر وہ مرے حالِ زبوں کا

سینے میں تڑپتا ہے پڑا برق کی مانند
کچھ حال نہ پوچھو دلِ بے صبر و سکوں کا

دنیا میں خوشی جان غنیمت کہ ہے دشوار
اک رنگ پہ رہنا فلکِ بوقلموں کا

○

مزاجِ عشق نے ہستی کا عرصہ تنگ ٹھہرایا
قدم سے بھی گزر جانے کا جب آہنگ ٹھہرایا

جو اُڑتا تو گماں طاقت کا ہوتا ہمصفیروں کو
ہجومِ ضعف نے چہرے پہ میرے رنگ ٹھہرایا

چلا جب صبح ہوتے قافلہ بادِ بہاری کا
تو گلبانگِ شکستِ رنگِ گُل کو زنگ ٹھہرایا

جسے کہتے ہیں دل ہے اس میں دونوں کی صف آرائی
یہ حُسن و عشق نے اپنا مقامِ جنگ ٹھہرایا

جہاں یاقوتِ لب کو اس کے رکھتے تھے ترازو میں
مقیمِ عشق نے واں لعل کو پاسنگ ٹھہرایا

تری تصویر کا خاکہ نظر آیا جو مانی کو
تو نیرنگی کو اس کے عالمِ نیرنگ ٹھہرایا

زبانِ طاعناں سے اے ہوسؔ کیوں کر بچیں کیا ہو
جنونِ عشق نے ہم کو حریفِ ننگ ٹھہرایا

○

صدمہ دلِ مضطر کا بیاں ہو نہیں سکتا
اک دردِ نہاں ہے کہ عیاں ہو نہیں سکتا

ہے آٹھ پہر جی میں ولے نام تمھارا
غیرت کے سبب وردِ زباں ہو نہیں سکتا

ہے دل میں ہوسؔ میرے بھری عشق کی آتش
پر شرم سے سرگرمِ فغاں ہو نہیں سکتا

○

گر جان پہ کوفت ہے تو تنِ ناتواں کو کیا
دل کی شکست سے ہو خبر، استخواں کو کیا

میری زباں میں طاقتِ تقریر ہی نہیں
ظاہر کروں کسی سے میں دردِ نہاں کو کیا

افشائے رازِ عشق تو اشکوں سے ہو چکا
اب بند میں کروں مژۂ خوں چکاں کو کیا

یارانِ رفتہ بھول گئے ہم کو اے ہوسؔ
رہ میں کسی نے لوٹ لیا کارواں کو کیا

○

ساقی نہ یہ دَور اور نہ یہ خُم خانہ رہے گا
باقی فقط اک عیش کا افسانہ رہے گا
کر دے گا جہاں نالۂ مجنوں تہ و بالا
چندے جو یہ نہیں اور یہ دیوانہ رہے گا
آباد ہے دم سے مرے صحرائے محبت
کیا بن مرے سُنسان یہ ویرانہ رہے گا
ایسا مئے اُلفت سے چھکا ہوں کہ لبوں پر
تا حشر یہی نعرۂ مستانہ رہے گا

○

نقشِ پائے رفتگاں کا سلسلہ جاتا رہا
ہم تو تھک کر رہ گئے اور قافلہ جاتا رہا

○

عہدِ طفلی سے غمِ عشق ہے دمساز اپنا
قیس وارفتہ کا انجام ہے آغاز اپنا

○

فراقِ یار میں ہم کو قرار خاک ہوا
جنوں کے ہاتھ سے دامانِ صبر چاک ہوا

○

ہم گئے تھے اس سے کرنے شکوۂ دردِ فراق
مُسکرا کر اُس نے دیکھا سب گِلا جاتا رہا

○

دین و دل جس کے غمِ ہجر میں برباد کیا
ہائے بھولے سے بھی اُس نے نہ ہمیں یاد کیا
ہم وہ مشتاقِ قفس ہیں کہ گلستان سے نسیم
جب اُڑے، رو طرفِ خانۂ صیاد کیا
خاک بھی رہنے نہ دی اُس کی گلی میں میری
مُجھ کو اے بادِ صبا تو نے تو برباد کیا
بال و پَر جھڑ گئے جب کُنجِ قفس میں میرے
ہے ستم تب مجھے صیاد نے آزاد کیا
غرقِ خوں ہو گئی خسرو کی شبیہ اک دم میں
تو نے کیا کام یہ اے خنجرِ فولاد کیا

فی الحقیقت وہ رُخ و قد کی طرف تھا تیرے
ہم نے جو سجدہ بہ پائے گُل و شمشاد کیا
جس سے کل خون میں ڈوبا قفس اے مُرغِ چمن
تو نے پھر آج وہی زمزمہ بُنیاد کیا

○

ہم گئے تھے اُس سے کرنے شکوۂ دردِ فراق
مُسکرا کر اُس نے دیکھا سب گِلا جاتا رہا

○

ایسے آنے سے تو قاصد تو نہ آیا ہوتا
کیسی امید میں تو نے مجھے مایوس کیا
بسکہ وحشت میں خوش آئی ہمیں رسوائی عشق
ننگ کا پاس نہ اندیشۂ ناموس کیا

○

اک داغِ جگر مثلِ شرر ہم کو ملا تھا
یہ یاس کے گلشن سے ثمر ہم کو ملا تھا
منزل میں جہاں کی نہ ہوا دل سے جُدا غم
اس راہ میں کیا یارِ سفر ہم کو ملا تھا

ہر داغِ جگر صورتِ خورشید تپاں ہے
کیوں راہ میں وہ رشکِ قمر ہم کو بلا تھا
ہم روئے بہت یاد میں سکّان کی واں کے
کل رہ میں جو ویران نگر ہم کو بلا تھا
غم کھانے کو تھا، پینے کو خونِ جگر اپنا
اُلفت میں یہی زادِ سفر ہم کو بلا تھا
کہتا تھا اُسے کوئی ہوسؔ اور کوئی مجنوں
کل دشت میں اک خاک بسر ہم کو بلا تھا
کیا گوش زد اس کے ہوا افسانہ ہوسؔ کا
مجنوں عرقِ شرم میں تر ہم کو ملا تھا

○

سورج کو دمِ صبح جو وہ مہ نگراں تھا
مغرب پہ بھی مشرق کا منجّم کو گماں تھا
آئینہ نہ تھا سامنے جو دیکھتے اُس کو
تھا وہ مری آنکھوں میں پر آنکھوں سے نہاں تھا
گھبرا کے یہاں آئے تھے ہم ملکِ عدم سے
یاں بھی نہ لگا جی ہمیں ایسا خفقاں تھا
وہ مُنھ نہ رہا اب جو دکھاؤں میں کسی کو
کیوں حسرتِ پیری کبھی میں بھی تو جواں تھا

جانا مجھے سب نے پہ کسی نے بھی نہ دیکھا
میں گلشنِ ہستی میں نسیمِ گزراں تھا
تصویریں وہ بگڑی ہوئی ہم بھولتے کیوں کر
ہر قبر عزیزانِ گزشتہ کا نشاں تھا
افسوس کیا دیکھ کے کل ہم نے ہوسؔ کو
کس سوچ میں انگشتِ تحیر بدہاں تھا

○

شبِ ہجر میں دمِ واپسیں دلِ مضطرب کا یہ حال تھا
کہ جو سانس ہونٹوں تک آتی تھی تو نکلنا اُس کا محال تھا
ہوا قطع رشتہ، زندگی تری تیغ سے تو بجا ہوا
مرا سر ہی دوش پہ بار تھا، مرا تن ہی مجھ پہ وبال تھا
مرے یار پوچھے ہے مجھ سے کیا، شبِ ہجر میں مرے شغل کو
کبھی گریہ تھا، کبھی آہ تھی، کبھی وجد تھا، کبھی حال تھا
مرا پہنچا آخری وقت جب مجھے دیکھنے کو وہ آئے تب
لگے کہنے اس کو یہ کیا ہوا کہ یہ کل تلک تو بحال تھا
کیے ہمصفیروں نے چہچہے نہ ہوسؔ کا غنچۂ دل کھلا
گئی فصلِ گل اسی دام میں کہ اسیر بے پر و بال تھا

○

غفلت ہی میں ہم خوش تھے، بیداری کا اک غم تھا
ہنگامِ شباب اپنا کیا خواب کا عالم تھا
عصمت پہ گُلِ تر کی، کیوں شاد نہ ہو بُلبُل
جو تختۂ گلشن تھا، سو دامنِ مریم تھا
لذّت دلِ عاشق کی، کیا جانے ہوس کوئی
سوزِ دلِ پروانہ، اس راز سے محرم تھا

اگرچہ ہجر کا ڈر وصلِ یار میں بھی تھا
پہ کچھ قرار دلِ بے قرار میں بھی تھا
اُٹھا جو خاکِ رہِ قیس سے بگولا سا
اک اضطراب سا پیدا غبار میں بھی تھا
اگرچہ آج ہے بالینِ سنگ و بسترِ خاک
کبھی تو سر مرا آغوشِ یار میں بھی تھا
زبسکہ تھا مجھے خطرہ تنک مزاجی کا
بگڑ ہی جانے کا ڈر اس کے پیار میں بھی تھا
رواں ہیں اشک مرے جس طرح بجوش و خروش
یہی سماں کبھی ابرِ بہار میں بھی تھا

زبسکہ آٹھ پہر تھا مجھے تصورِ یار
مزا وصال کا اک انتظار میں بھی تھا
ہوس کا دل ترے جانے سے اب ہے منزلِ غم
کبھی خوشی کا گزر اس دیار میں بھی تھا

○

ہم سے وارفتۂ اُلفت ہیں بہت کم پیدا
ہاتھ سے کھو نہ ہمیں ہوں گے نہ پھر ہم پیدا
التیام اُس کا جو ہے لُطفِ بتاں پر موقوف
زخمِ دل کا مرے ہوتا نہیں مرہم پیدا
بد نہ کہہ بد کو کہ صنّاعِ بد و نیک ہے ایک
خار و گُل ہوتے ہیں اک شاخ سے باہم پیدا
نہیں اَبرو، ترے رُخسار کے سجدے کے لیے
عکسِ انگشتِ شہادت نے کیا خَم پیدا
میں بھی ہوں باعثِ ایجاد ہوس اک شے کا
میری خاطر مرے خالق نے کیا غم پیدا

○

بُلبُل نے کُڑھایا نہ غمِ گُل نے رُلایا
ہم کو تو فقط اُس کے تغافل نے رُلایا

گلشن میں بہار آئی ہے گُل جام بکف ہیں
اس فصل میں ساقی کے تساہل نے رُلایا

○

میں کہا بولنا شب غیر سے تھا تم کو کیا
مُسکرا کہنے لگا شوق مرا تم کو کیا

جو کہا میں کہ بڑے طور نکالے تم نے
پھیر کر مُنھ کو لگا کہنے بھلا تم کو کیا

شکوہ اُس بُت کی جفا کا جو کیا میں تو کہا
تم تو دنیا میں ہو اک اہلِ وفا تم کو کیا

بعدِ مدت کے جو آئے تھے تو ہمراہِ رقیب
حال دل کا مرے معلوم نہ تھا تم کو کیا

تان کر مُنھ پہ دوپٹہ بدمِ سرد کہا
تم لگے پوچھنے کیوں حال مرا تم کو کیا

ہر گھڑی تم جو ملامت مجھے کرتے ہو ہوس
آپ میں دامِ محبت میں پھنسا تم کو کیا

○

جدھر وہ نورِ مجسّم تھا مثلِ قبلہ نُما
اُسی طرف کو رُخِ انجمن نظر آیا

○

صدمہ دلِ مضطر کا بیاں ہو نہیں سکتا
اک دردِ نہاں ہے کہ عیاں ہو نہیں سکتا
تدبیر کرو وصل کی جو ہو سکے تم سے
کچھ ہم سے تو اے ہم نفساں ہو نہیں سکتا
یارب دلِ سوزاں کو کرا اب خاک میں پنہاں
یہ شعلہ تو سینے میں نہاں ہو نہیں سکتا
بل بے کششِ عشق کہ اب نجد سے باہر
ہرگز قدمِ ناقہ رواں ہو نہیں سکتا
ہے آٹھ پہر جی میں دلے نام تمھارا
غیرت کے سبب وردِ زباں ہو نہیں سکتا
ہے دل میں ہوس میرے بھری عشق کی آتش
پر شرم سے سرگرمِ فغاں ہو نہیں سکتا

○

گر جاں پہ کوفت ہے تو تنِ ناتواں کو کیا
دل کی شکست سے ہو خبر استخواں کو کیا
آتی نہیں چمن سے یہ سوئے قفس کبھی
روکا ہے بختِ بد نے نسیمِ رواں کو کیا

میری زباں میں طاقتِ تقریر ہی نہیں
ظاہر کروں کسی سے میں دردِ نہاں کو کیا
مُنھ زور اس قدر ہے کہ تھمتا نہیں ذرا
روکوں سمندِ عمرِ دواں کی عناں کو کیا
افشائے رازِ عشق تو اشکوں سے ہو چکا
اب بند میں کروں مژۂ خونچکاں کو کیا
یارانِ رفتہ بھول گئے ہم کو اے ہوسؔ
رہ میں کسی نے لوٹ لیا کارواں کو کیا

○

سُبک روحوں کا بزمِ دوستاں میں جی نہیں لگتا
صدائے زنگ کا یاں کارواں میں جی نہیں لگتا
عدم سے شوق لایا ہے مجھے یاں تک اسیری کا
میں وہ بلبل ہوں جس کا آشیاں میں جی نہیں لگتا

○

جی اُس کے در سوا نہیں لگتا کہیں ذرا
فرصت دے ناتوانی تو جاویں وہیں ذرا

○

○

شمع، پروانے پہ مصروف ہے گُل، بلبل پر
حُسن ہر رنگ میں پاتا ہے خریدار اپنا

○

خدنگِ یار نے گر سینہ اک نخچیر کا توڑا
سنانِ غمزہ نے دل لاکھ بے تقصیر کا توڑا
زبس ہے زندگی میں اُس سے اُلفت بعدِ مُردن بھی
پڑا تھا قبر پر مجنوں کے اک زنجیر کا توڑا
کیا پہلے نشانہ دل مرا آخر کو پچھتا کر
کماں اُس نے جلا دی اور پیکاں تیر کا توڑا
ہوس غم تشنہ کامی کا نہ کھا تو کوئے قاتل میں
نہیں اے یار یہاں آبِ دمِ شمشیر کا توڑا

○

آج کہتا تھا یہ ہر ایک سے وہ مایۂ ناز
چاک کیوں کر نہ کروں جامہ شکیبائی کا
دیکھی تصویر جو مجنوں کی میں کل سلسلہ بند
یاد آیا مجھے نقشہ اُسی سودائی کا

○

دل کا مرے کوچ ہو چکا اب
قصہ ہی تمام ہو چکا اب
نقارۂ کوچ پر صدا ہے
چل یاں سے، مقام ہو چکا اب
انکار سے کیا تمھارے صاحب
بندہ تو غلام ہو چکا اب
وحشت ہے یہی ہوس گر اس کی
تو مجھ سے وہ رام ہو چکا اب

○

گلشن میں گئی جلوہ کناں کون پری آج
غلطاں ہے خیاباں میں نسیم سحری آج
کچھ اور دنوں سے ہے فزوں نالۂ بلبل
کیا گل ہے کوئی باغِ جہاں سے سفری آج
اے دوستو! کیا جذبِ محبت نے کشش کی
بے ساختہ اُس شوخ نے اک آہ بھری آج
بیمارِ محبت کی خبر پوچھتے ہو کیا
ہے صبح سے کچھ اُس کے تئیں بے خبری آج

جا خاک پہ مجنوں کی ہوسؔ بہرِ زیارت
دل کھول کے رو خوب سی کر نوحہ گری آج

○

بے کسی ہی نے نہ دُنیا کو تجا میرے بعد
غم بھی مرقد پہ مرے بیٹھ رہا میرے بعد
تیز رکھیو سرِ ہر خار کو اے دشتِ جنوں
شاید آجائے کوئی آبلہ پا میرے بعد
اپنے مرنے کا مجھے غم نہیں پر یہ غم ہے
کون ہوگا ہدفِ تیرِ بلا میرے بعد
کیا عجب مدفنِ لیلیٰ سے جو نکلے یہ صدا
میرے مجنوں ترا کیا حال ہوا میرے بعد
میں تو زنداں ہی میں دی جان، بلا سے میری
باغِ عالم میں رہی گو کہ فضا میرے بعد
جیتے جی قدر بشر کی نہیں ہوتی پیارے
یاد آئے گی تمھیں میری وفا میرے بعد
اب تو کرتے ہو بہت لُطف و کرم تم لیکن
بُھول جانا نہ مجھے بہرِ خدا میرے بعد
اُٹھ گیا میں جو جہانِ گُزراں سے تو ہوسؔ
خاک چھانے گی بہت بادِ صبا میرے بعد

○

نہیں ہوس وقتِ جوشِ مستی، قدِ خمیدہ سے کچھ حیا کر
بُتوں کا بندہ رہے گا کب تک، خُدا خُدا کر، خُدا خُدا کر

جو چاہتا ہے کہ آشنا ہو، وہ تیرا اے آشنائے عالم
کبھی زبان و لب و دہاں کو، نہ حرفِ مطلب سے آشنا کر

سجودِ محرابِ تیغِ قاتل، عبادتِ رندِ مشرباں ہے
جو ہو سکے تو قضائے عُمری، بس ایک سجدے میں اب ادا کر

کہاں کی نیند آگئی الٰہی، مسافرانِ رہِ عدم کو
کچھ ایسے سوئے کہ پھر نہ چونکے، تھکے ہم اُن کو جگا جگا کر

اُٹھا جو دامن کو جھاڑ کر وہ، تو خرمنِ دل پہ برق چمکی
نہ بس چلا کچھ تو رہ گئے ہم، کلیجہ ہاتھوں سے بس دبا کر

مجھے جو راہی عدم کا پایا، چلے خفا ہو کے وقتِ رخصت
نہ مُڑ کے دیکھا، نہ بات پوچھی، نہ کی تسلّی قریب آ کر

کہاں سلیماں، کہاں سکندر، ہے جم کہاں اور کہاں ہے دارا
یہ سب کے سب خاک کے تھے پُتلے بگاڑ ڈالے بنا بنا کر

بہار، ابر و ہوا میں ساقی، اندھیری راتوں کا خوف کیا ہے
چراغِ داغِ جگر سے میرے، فروغِ خمخانہ، فضا کر

ہے مُنھ پہ بیداریوں سے زردی ہوس اگر نیند اُچٹ گئی ہے
تصوّر اس کے میں سو رہو اب، بغل کے تکیے گلے لگا کر

عشق نے خانۂ دل کو مرے دی آگ لگا
اب میں حیراں ہوں کہ یہ آگ بجھاؤں کیوں کر
بے پر و بال ہوں اس کنجِ قفس بیچ ہوس
ہمصفیروں کو میں یہ حال دکھاؤں کیوں کر

ہنستے تھے میرے حال کو جو یار دیکھ کر
اُن سب نے رو دیا مجھے بیمار دیکھ کر
سب ہمصفیر چھوڑ کے تنہا چلے گئے
کُنجِ قفس میں مجھ کو گرفتار دیکھ کر
کیا جانے کیا غضب ہے یہ جادو بھری نگاہ
غش کر گیا ہوں میں جسے یکبار دیکھ کر
خونِ جگر کے ساتھ کہیں جی چلا نہ جائے
رونا ذرا تو دیدۂ خوں بار دیکھ کر
اپنے ہوس پہ جب سے کہ تو مہرباں ہوا
جلتے ہیں رات دن اُسے اغیار دیکھ کر

○

اے صبا جائے اگر تو مرے دلدار کے پاس
کہیو اک حشر بپا ہے ترے بیمار کے پاس

○

پنہاں ہے مرا زخم بہ زیرِ چمنِ داغ
طاؤس نمط مجھ کو بلا پیرہنِ داغ
یہ جم کے وہ بیٹھا ہے کہ اُٹھتا نہیں ہرگز
گویا دلِ پُر درد ہوا ہے وطنِ داغ
جو لالہ نکلتا ہے سو وہ داغ بہ دل ہے
پنہاں ہے تہِ خاک مگر انجمنِ داغ
تن بسکہ ہوس آتشِ فرقت نے جلایا
کچھ ہم کو مُوے پر نہ ملا جُز کفنِ داغ

○

داغِ غم سے ہے زبس سینہ چراغاں اب تک
تا فلک جاتا ہے دُودِ دلِ سوزاں اب تک
بادیہ گردی میں یاروں سے چھپاؤں کیوں کر
ہیں مرے آبلوں میں خارِ مغیلاں اب تک

حسرتِ دید جو باقی ہے ترے کُشتے کو
ہیں کھُلے آئینہ ساں دیدۂ حیراں اب تک

استخواں خاک ہوئی خاک بھی برباد گئی
تُو نہ آیا طرفِ گورِ غریباں اب تک

گرچہ باقی نہ رہی شورشِ ایامِ بہار
مثلِ گُل چاک ہے اس پر بھی گریباں اب تک

تیرِ بیداد کا کس کے ہیں نشانہ تھا ہوسؔ
کھٹکے ہے دل کی جگہ پہلو میں پیکاں اب تک

پہنچا جو اشکِ خستہ دلاں آستیں تلک
جانے دیا نہ ضعف نے اُس کو زمیں تلک

کرنے لگے گا رنگِ کفک سے برابری
پہنچا یہ خوں گر اُس کے کفِ نازنیں تلک

ہم بسملِ خدنگِ تغافل رہے مُدام
پہنچے کبھی نہ اس نگہِ شرمگیں تلک

تیشے سے بیستوں میں جو فرہاد مر گیا
آوازِ نوحہ تھی فلکِ ہفتمیں تلک

ہم بھی مزے بہار کے لوٹیں گے اے ہوسؔ
جیتے رہے جو فصلِ گُل و یاسمیں تلک

کس سوختہ کی خاک سے اُٹھا ہے بگولا
اک شعلۂ جوّالہ ہے پہنچا پسِ محمل

آئے ہیں بہت دُور سے مُشتاقِ جہاں ہم
مرضی ہو تو اک دو گھڑی دم لے لیں یہاں ہم
صحرا ہے نہ مسکن ہے نہ گلزار میں وقفہ
گھر بھولے ہیں سو ڈھونڈتے پھرتے ہیں میاں ہم
احوالِ جہاں بہرِ خدا کوئی بتا دو
یاں آئے تھے کس واسطے جاویں گے کہاں ہم
جاگہ نہیں غم کھانے کی منزل ہے وہی ایک
کچھ پیش روی کرتے ہیں اے ہمسفراں ہم
اے غافلو! سمجھو تو فنا عین بقا ہے
حکمت ہے کہ ہو جاتے ہیں آنکھوں سے نہاں ہم
دیکھیں تو کسے زمزمہ سنجی کا ہے دعوےٰ
کھولیں گے ہوسؔ آج گُلستاں میں زباں ہم

○

یوں تو دنیا میں سبھی کرتے ہیں آرام کے کام
کچھ تو ایسا بھی کرو آئے جو انجام کے کام

○

ہرگز نہ مرے محرمِ ہمراز ہوئے تم
آئینے میں اپنے ہی نظرباز ہوئے تم
شکوہ نہ مجھے غیر سے، نے یار کی خو سے
دشمن مرے اے طالعِ ناساز ہوئے تم
خمیازہ کشانِ مے اُلفت کی بن آئی
مے پی کے جو کل مستِ سرانداز ہوئے تم
میں تم کو نہ کہتا تھا کہ آئینہ نہ دیکھو
آخر ہدفِ چشمِ فسوں ساز ہوئے تم
دُکھ پہنچے جو کچھ تم کو، تمھاری یہ سزا ہے
کیوں اُس کے ہوس عاشقِ جانباز ہوئے تم

○

صاحبِ تاج ہو یا بندۂ بے برگ و نوا
سبھی مجبور ہیں، یاں ایک بھی مختار نہیں

بیہودہ گو ہیں جُوں جرسِ کارواں نہیں
تصویرِ ضبط ہوں مرے منھ میں زباں نہیں

طاعت کا واں گھمنڈ یہاں عفو پر مدار
زاہد میں مجھ میں فرق ہے جس کا بیاں نہیں

ہستی نظارہ گاہ، عدم جلوہ گاہ ہے
یہ دونوں مُلک میرے ہی ہیں میں کہاں نہیں

اُڑتی ہے نیند سُن کے اسے بختِ خُفتہ کی
قابل بیاں کے آہ مری داستاں نہیں

گو خُلد میں ہے عیش و طرب پر ہزار حیف
فکر و تلاش و بیم و اُمیدِ جہاں نہیں

چشمک سے برقِ شعلہ فشاں کے خجل ہوں میں
افسوس اس چمن میں مرا آشیاں نہیں

کیا قدر ساکنوں کو وہاں کے بہار کی
جنّت میں اے ہوسؔ یہ سُنا ہے خزاں نہیں

دردِ دل کس سے کہوں وادیٔ اُلفت میں ہوسؔ
کوئی مونس نہیں، ہمدم نہیں، ہمراز نہیں

○

ہم نفس اُٹھ گئے کس کس کی بھلا یاد کروں
قیس کو روؤں دیا ماتمِ فرہاد کروں
حاصلِ عشق ہے داغِ جگر و کاہشِ جاں
شاد کیوں کر میں تجھے اے دلِ ناشاد کروں
جب قفس سے ہوئی اُلفت تو یہ بولا صیّاد
جی میں آتا ہے اب اس صید کو آزاد کروں
گر مری لال زباں دا ہو تو میں روزِ جزا
دادرِ حشر کے آگے تری فریاد کروں
مجھ کو یہ شوقِ اسیری ہے کہ گلشن سے نسیم
جب اُڑوں روئے طرفِ خانۂ صیّاد کروں

○

سب سے جُدا ہے لہجہ ہمارا تو اے ہوسؔ
زنہار یہ زباں نہیں رُوم و عراق میں

○

دل نے کی ہے مشقِ ضبطِ آہ و زاری ان دنوں
طائرِ بے آشیاں ہے بے قراری ان دنوں

کیوں خزاں اک پنکھڑی بھی گُل کی ہاتھ آتی نہیں
سر پٹکتی ہے کہاں بادِ بہاری ان دنوں

چل بسے ہوش و حواس و طاقت و صبر و قرار
کون کرتا ہے ہماری غم گُساری ان دنوں

دُکھ رہا ہے بسکہ دل مضرابِ غم کی چھیڑ سے
پھانس دے جاتی ہے دردِ زخم کاری ان دنوں

جا چکی کل صبر و طاقت، ہے وداعِ ہوش آج
ہم کو رخصت کرتے ہیں سب باری باری ان دنوں

اب تلک دھومیں مچا چکتیں مری رسوائیاں
ضعف اگر کرتا نہ میری پردہ داری ان دنوں

لُوٹتا ہے آپ وہ اب حُسن کی اپنے بہار
مائلِ آئینہ ہے چشمِ خماری ان دنوں

ضبط کا دعویٰ تھا آخر ہجر میں چلا اُٹھے
اے ہوسؔ کیا ہو گئی شیخی تمھاری ان دنوں

○

عدم سے ترا شوق لایا ہمیں
غرض تو نے یہ دن دکھایا ہمیں

قفس ہی میں ہم کو گئی فصلِ گل
چمن تک کوئی لے نہ آیا ہمیں

ملا تُو نہ اور گردشِ چرخ نے
بہت جستجو میں پھرایا ہمیں

لیا اُس نے ہنس کر جدائی کا نام
ہنسی ہی ہنسی میں رُلایا ہمیں

پھنسا ہی تھا دل زُلف میں اے ہوسؔ
خدا ہی نے واں سے چھڑایا ہمیں

○

خواہ وہ قید رکھیں، خواہ وہ آزاد کریں
ہم کو طاقت نہ رہی اتنی کہ فریاد کریں
گُل سے کہہ جا کے اسیروں کی طرف سے یہ صبا
قید سے چھوٹیں تو پھر ہم چمن آباد کریں
مُجھ کو ڈر ہے کہ کہیں بادِ صبا کے جھونکے
اس چمن سے نہ مری خاک کو برباد کریں
نام لینے سے ترے ہم کو حیا آتی ہے
رو، برو، کس کے ترا شکوۂ بیداد کریں
مُلک تو فرصت ہمیں دے اے تپشِ شوقِ جہاد
ہم کوئی دن تو بھلا خاطرِ صیاد کریں
جن ذبیحوں کو ہوس پاس ہو قاتل کا بھلا
کس طرح نالہ تہہِ خنجرِ فولاد کریں

○

جُدائی میں تری ہے اُنس یاں تک درد سے مُجھ کو
نمک ہر دم بھرا کرتا ہوں دل کی زخم کاری میں
بہا کرتے ہیں آنسو جس خروش و جوش سے اپنے
یہ شورش ہم نے تو دیکھی نہیں ابرِ بہاری میں

قفائے ناقہ چلاتا ہے مجنوں وہ نہیں سُنتی
ہے مستِ خوابِ راحت صاحبِ محمل سواری میں۔
خدا کے واسطے صاحب ذرا تم بام پر آؤ
سِرہ کوئی کھڑا ہے دید کی امید واری میں
سرشک سرخ ہیں لعلِ بدخشاں سے ہوس بہتر
مُقابل اس کے کیا سلکِ گہر ہو آبداری میں

○

کہہ بادِ صبا جا کے اسیروں سے قفس میں
بھولے ہمیں تم آتے ہی صیّاد کے بس میں
یارب اسے کس قافلۂ رفتہ کا غم ہے
آوازِ حزیں پاتے ہیں فریادِ جرس میں
ظاہر نہیں ہوتا در و دیوارِ چمن سے
سر مارتی ہے بادِ صبا کس کی ہوس میں
جو اگلے برس زمزمہ سنجانِ چمن تھے
افسوس تہہِ دام ہیں وہ اب کے برس میں
یوں اشکِ جگر گوں سے جلا دامنِ مژگاں
پڑ جاتی ہے چنگاری ہوس جیسی کہ خس میں

○

○

جنگلوں میں جستجوئے قیسِ صحرائی کروں
کب تلک ڈھونڈوں کہاں تک جادہ پیمائی کروں
گر کوئی مانع نہ ہو واں سجدہ کرنے کا مجھے
آستانِ یار پر برسوں جبیں سائی کروں
بزمِ ہستی میں نہیں جُز بے کسی اپنا رفیق
کس کی خاطر دوستوں میں محفل آرائی کروں
غارتِ دل کا جو کرتا ہے ارادہ ترکِ چشم
غمزہ کہتا ہے میں تاراجِ شکیبائی کروں
لے گئے جب تیرے دیوانے کو عیسیٰ نے کہا
ہر گھڑی میں کیا علاجِ مردِ سودائی کروں
آشنا کوئی نظر آتا نہیں یاں اے ہوسؔ
کس کو میں اپنا انیسِ کُنجِ تنہائی کروں

○

ہے بہت کم فرصتی گلشن کو اک دم دیکھ لے
پھر چمن اور گُل کہاں، اور گریۂ شبنم کہاں
کیوں مسیحا کی کرے منّت کشی مجروحِ عشق
زخمِ دل گزرا ہے حد سے اس کا اب مرہم کہاں

اس میں اور اُس میں زمین و آسماں کا فرق ہے
سُنبل پیچاں کہاں، وہ کاکلِ پُرخم کہاں

اپنے سائے سے بھڑکتا ہے مرا وحشی غزال
آہوانِ دشت وحشت میں یہ طرزِ رَم کہاں

رشک اک ہوتا ہے پیدا ہر نہالِ باغ سے
بیٹھ کر اس گل سے باتیں کیجیے باہم کہاں

○

جب اُس سے دردِ دل کرتا ہوں میں اظہار باتوں میں
لگا لیتے ہیں بس اس کو وہیں اغیار باتوں میں

ارے اے بے خبر ہیں یاد وہ دن بھی کہ جن روزوں
گزر جاتی تھی ساری شب پسِ دیوار باتوں میں

سرِ بازار اکثر گالیاں دیتا ہے وہ مجھ کو
زباں اُس شوخ کی ہے کس قدر طرّار باتوں میں

ہوسؔ مت ذکر کر تو میرے آگے اُس کی ابرو کا
کہ چل جاتی ہے یاں اکثر یوں ہی تلوار باتوں میں

○

وصل کا دن ہے، وے آنکھوں کے میری سامنے
ہے کھڑی شب ہائے ہجراں کی سیاہی کیا کروں

ٹکڑے ٹکڑے دل ہوا جاتا ہے پہلو میں ہوس
ذبح کرتی ہے بتوں کی کم نگاہی کیا کروں

○

ہے جو نالاں ہم صفیرانِ چمن کی یاد میں
اک مزہ ہے عندلیبِ زار کی فریاد میں

○

اس بخت واژگوں کا میں کس سے گلا کروں
اک دم بن اُس کے چین نہیں ہائے کیا کروں
عکس اپنا دیکھ، یار نے آئینے میں کہا
جی چاہتا ہے تجھ سے بھی میں اب چھپا کروں
دیوانۂ بہار ہوں یہ چاہیئے مجھے
بادِ صبا کی موج کو زنجیرِ پا کروں
فریادِ آہ و نالہ سے بہتر ہے خامشی
کیا میں جفائے یار کا شکوہ کیا کروں
گر دسترس ہو میری تو گنجِ لحد میں بھی
قاتل اُٹھا کے ہاتھ میں تجھ کو دعا کروں
جانا وہاں کا چھوڑ دیا میں نے پر ہوس
اُس کا خیال دل سے میں کیوں کر جدا کروں

دنیا کی سیر کرلے وقفہ ہے کوئی دم کا
محمل کسی کھڑی ہے، تیار قافلے ہیں

○

چمن سے کون گزرا نشے کی بے اختیاری میں
نسیم صبح کس کو ڈھونڈتی پھرتی ہے کیاری میں
جلا کرتے ہیں دن بھر غم میں اُس خورشید تاباں کے
شب یلدا گزرتی ہے ہمیں اختر شماری میں

○

بلائیں ہم پہ جو ہجرانِ یار میں آئیں
کسی پہ کاہے کو اس روزگار میں آئیں
یہ خوبی دیکھو نصیبوں کی وہ نہ آیا اور
بلائیں لاکھوں شبِ انتظار میں آئیں

○

بلبل کی زباں پر ہے یہ افسانہ چمن میں
کیا بادِ خزاں کر گئی ویرانہ چمن میں
اے بادِ صبا ہوئے گی بلبل کو ندامت
لے جا نہ تو خاکسترِ پروانہ چمن میں

پابوس کیا سلسلۂ موجِ صبا نے
آشفتہ جو آیا ترا دیوانہ چمن میں
اس شرم سے جاتا نہیں وہ سیر کو گُل کی
دیکھے نہ مجھے سبزۂ بیگانہ چمن میں
شاید کوئی مے خوار تہہِ خاک نہاں ہے
نرگس جو جھکا رکھتی ہے پیمانہ چمن میں
تو چل کے اُسے روک کہ پامال نہ ہو گُل
زنجیر کشاں ہے ترا دیوانہ چمن میں
لیلےٰ نے انیسوں سے کہا میں نے سُنا ہے
تھی جمع عجب مجلسِ رندانہ چمن میں
کیا جانے مرا قیسِ حزیں تھا کہ ہوس تھا
کرتا تھا کوئی نعرۂ مستانہ چمن میں

○

بھرے گلشن سے میں نے پھُول کب کب چُن کے داماں میں
یہاں تو عمر بھر جھگڑا رہا دست و گریباں میں
نہ دیکھا روئے گُل نے دو گھڑی گلشن میں جی بہلا
کٹی عمر اپنی سب درد و غم و اندوہ و حرماں میں
چُبھے ہے خارِ نجد آنکھوں سے مجنوں اس توقع پر
کہ شاید ناقۂ لیلیٰ بھی آوے اس بیاباں میں

یہ جی میں ہے کہ ہر گل کے گلے لگ لگ کے رو لیویں
کوئی دَم اور بھی مہمان ہیں ہم اس گُلستان میں
ہوس میں دل گرفتہ اس لیے گلشن میں جاتا ہوں
کسی کے ہنسنے کا انداز ہے گُل ہائے خنداں میں

○

قاصد پُر اضطراب ہے اور ہم ہیں بے حواس
مضمونِ شوق کیوں کہ بھلا مختصر کریں

○

غافلو! سمجھو غرور اچھا نہیں
دم میں یاں کیا جانے کیا ہے کیا نہیں

○

جوانی ہو چکی، پیری سے اب دوچار ہوں میں
خزاں رسیدہ ہوں، واماندۂ بہار ہوں میں

○

غفلت سے کوئی دہر میں خالی بشر نہیں
اس بزم میں کسی کو کسی کی خبر نہیں

گلشن میں جا کے روند نہ پھولوں کو زیرِ پا
گُل برگ تر ہیں یہ مرے لختِ جگر نہیں
لاکھوں شجر ہیں گُلشنِ عالم میں بارور
اک شاخِ آرزو کو ہماری ثمر نہیں
نقارہ کوچ کا ہے یہ آمد شدِ نفس
اور غافلو ذرا تمھیں فکرِ سفر نہیں
سینے کے داغ گُل ہیں ہوس لختِ دل ثمر
کہتا ہے کون نخلِ الم بارور نہیں

لُطفِ شبِ مہ اے دل اُس دم تجھے حاصل ہو
اک چاند بغل میں ہو، اک چاند مقابل ہو
ہے وہ وطن آوارہ افسوس کی جا جس نے
طاقت نہ ہو چلنے کی اور سامنے منزل ہو
کیا چیز ہے دل جس پر تم روٹھ چلے ہم سے
حاضر ہے یہ جی لیجے، گر آپ کے قابل ہو
کیا بسترِ غم سے وہ بیمار ترا اُٹھے
ناطاقتی سے کروٹ لینا جسے مشکل ہو
ہر گام پہ خطرہ ہے یاں شرط ہے ہشیاری
تو عشق کی منزل میں اتنا بھی نہ غافل ہو

میں رشک سے رو رو کر دل کیوں نہ کروں خالی
غیروں سے بھری پیارے جب یوں تری محفل ہو

چلنے میں لپک آفت، ٹھہرے تو غضب قامت
اس سرو سہی قد پر دل کیوں کہ نہ مائل ہو

قرباں گہِ عالم میں وہ صید ہے خوش طالع
جو پاؤں پہ قاتل کے غلطاں دمِ بسمل ہو

بیتاب ہو اُس کو میں جاتا ہوں ہوس ہر دم
رسوا نہ ہوں اتنا گر کہنے میں مرا دل ہو

○

سوائے اندوہ و یاس و حرماں، ہوا نہ حاصل جہاں سے ہم کو
اُٹھائیں کاندھے پہ بارِ ہستی، سفر ہی بہتر ہے یاں سے ہم کو

ملیں گے کس طرح رفتگاں سے، نہیں نشانِ قدم ہی باقی
بُرا ہو اس ضُعف کا کہ جس نے جُدا کیا کارواں سے ہم کو

اگرچہ یار و رفیق و ہمدم، سبھی ہیں غمخوار اپنے لیکن
کسی سے کیا کہیے حالِ دل کا، نہیں ہے فرصت فغاں سے ہم کو

جہاں ہے یارو سرائے فانی، یقیں ہے رہنا نہیں ہمیشہ
نہ غم ہے جاں کا زبسکہ الفت ہے یاں کے باشندگاں سے ہم کو

دیارِ وحشت میں اے عزیزو، تھی بے نشانی نشاں ہمارا
نہ ننگ سے کچھ رہا ہے مطلب، نہ کام نام و نشاں سے ہم کو

لحد میں رہنے دے چین سے ٹک ابھی تو رو رو کے سو گئے ہیں
خدا سے ڈر اے فغانِ بلبل، جگا نہ خوابِ گراں سے ہم کو
لبوں پہ جس وقت جان پہنچی، کھلا ہوس سب پہ راز تیرا
کیا نہ آگاہ تو نے پہلے، اس اپنے دردِ نہاں سے ہم کو

○

کم کرو ذکرِ جوانی، مانو پیرو بات کو
منع ہے دن کو کہانی، خواب کہنا رات کو
آج تک ہوتی نہیں ہے منکشف آدم کی ذات
اتنی فرصت دو کہ ہم تحقیق کر لیں ذات کو

○

نہ آشنا ہیں موافق نہ دوست ہیں غم خوار
فلک ہے درپے آزار دیکھیے کیا ہو
وہ نزع میں مجھے آئے تھے دیکھنے کے لیے
یہ رو کے کہتے تھے ہر بار دیکھیے کیا ہو

○

بیٹھے بٹھائے ناحق لگتا ہے روگ جی کو
یارب کبھو کسی سے اُلفت نہ ہو کسی کو

صحرا میں ناقہ بیٹھا جاتا ہے بے کسانہ
شاید سُنا ہے اُس نے مجنوں کی بے کسی کو
دُوری سے روئیں کیا ہم، یارانِ رفتگاں کی
اک دن سفر جہاں سے درپیش ہے سبھی کو
جب شال سُرخ اوڑھی اُس نے ہوسؔ میں اُس دم
دیکھا شفق میں پنہاں خورشیدِ خاوری کو

○

فراقِ روح سے اے جسم بے قرار نہ ہو
عزیز اُس کو نہ کر، جس پہ اختیار نہ ہو
بہشت میں ہمیں کیا لُطف ہے نہیں جب تک
بہار ہو نہ خزاں اور خزاں بہار نہ ہو
وہ ناتواں ہوں کہ آئینہ گرد کھائیں مجھے
تو میری سانس سے آلودۂ غبار نہ ہو
پُکارا دیکھ کے آئینہ آپ وہ خود بیں
الٰہی ایسی بلا سے کوئی دوچار نہ ہو
ہے اس غریب کا احوال جائے گریہ ہوسؔ
سوائے یاس کوئی جس کا غم گُسار نہ ہو

○

○

حائلِ منزلِ مقصود نہ ہو بارِ گناہ
راہ پُر خوف ہے در پیش گراں باروں کو

○

صحرا میں جنوں کے مجھے نخچیر بناؤ
دل کو مرے اس کا ہدفِ تیر بناؤ
چوری تو عیاں ہو گئی لکنت سے زباں کی
جھوٹی نہ مرے سامنے تقریر بناؤ
اے منعمو! کیا قصر و محل کرتے ہو تم طرح
ٹوٹے ہوئے دل کی کوئی تعمیر بناؤ
ہوتا ہے ہوس وہ ہی جو ہے خواہشِ تقدیر
یوں سیکڑوں باتیں کرو تدبیر بناؤ

○

عاشق کا ذرا چاکِ گریبان تو دیکھو
آتا ہے عجب دھج سے چلا شان تو دیکھو
ہر چند کہ کب دیکھتے ہو نامہ کو میرے
پر تم کو قسم ہے کسی عنوان تو دیکھو

دیکھو نہ پریشانی مری آئینہ لے کر
آشفتگی زلفِ پریشان تو دیکھو
دیدار کی خواہش میں کھلی رہ گئیں آنکھیں
جاں باختۂ عشق کا ارمان تو دیکھو
عاشق تو تمھارا ہے ہوسؔ پر نہیں بدبیں
اک مرتبہ بات اُس کی ذرا مان تو دیکھو

○

بہت جی ہی جی میں عشق کے صدمے اٹھائیو
شکوے کی بات مُنھ پہ ہوسؔ تم نہ لائیو
شوق ان دنوں ہوا ہے اسے داستان کا
یارو کوئی مری بھی کہانی سُنائیو
رہنے دے میری خاک تو اُس در پہ اے صبا
مشتِ غبارِ خستہ دلاں مت اُٹھائیو
جی کو یقیں ہے حشر میں ڈھونڈوں گا میں تجھے
ظالم وہاں تو مجھ سے نہ مکھڑا چھپائیو
اس میں زیاں ہے جان کا سنتا ہے اے ہوسؔ
زنہار بارِ عشق نہ سر پر اٹھائیو

○

راحت ملک عدم یاد نہیں یاروں کو
عالم آزادی کا بھولا ہے گرفتاروں کو

وہ جو ہیں دیکھنے والے ترے اے مایۂ ناز
سرزنش کرتے ہیں یوسف کے خریداروں کو

داغ چیچک کے ہیں کیوں عارضِ رنگیں پہ ترے
کوئی پھولوں میں بساتا نہیں انگاروں کو

لازم ہے وقتِ بد میں کوئی تو جلیس ہو
اے غم تو بے کسی کا ہمارے انیس ہو

کیوں حال تڑپنے میں نہ بسمل کا بُرا ہو
خنجر ہی دمِ ذبح جو قاتل کا بُرا ہو

لیلیٰ کو ستانے لگی تاثیر محبت
اس رنج دہِ صاحبِ محمل کا بُرا ہو

بھاتا نہ وہ دل کو تو یہ سب رنج نہ ہوتے
کیا دل نے ستایا ہمیں اس دل کا بُرا ہو

مدت ہوئی دل سے نہیں کھلتی گرہِ غم
کیا عقدہ ہے اس عقدۂ مشکل کا بُرا ہو

محروم رکھا جلوۂ دیدار سے مجھ کو
ہستی ترے اس پردۂ حائل کا بُرا ہو

بے نور ہے مہ اس قدر اُس چہرے کے آگے
جس طرح سے کانسہ کسی سائل کا بُرا ہو

خوباں کے ہوا خواہ ہیں سو دل سے ہوسؔ ہم
یارب نہ کسی خُو رشمائل کا بُرا ہو

تھا جو حیراں میں یہ حیرت کدۂ فانی دیکھ
رہ گیا آئینہ حیراں مری حیرانی دیکھ

تو جو گزرا درِ زنداں سے تو کس حسرت سے
رہ گیا دور سے تجھ کو ترا زندانی دیکھ

چہچہے اپنے پہ مغرور ہے کیا مرغِ چمن
اک ذرا مرغِ قفس کی بھی غزلخوانی دیکھ

خوب رو تجھ کو بنایا ہے خدا نے اے بُت
اپنی تصویر میں صنعِ قلمِ مانی دیکھ

بے وفا سے مرے رکھتا ہے یہ اُمید وفا
اے ہوسؔ دل کی ذرا تو مرے نادانی دیکھ

برہمن نے ہاتھ میں دیکھا جو میرا لے کے ہاتھ
مرگ بتلائی کسی بدمست متوالے کے ہاتھ

اضطراب اُس میں کہاں راتوں کو بے خوابی کہاں
لُطف کیا اک داغِ دل آیا اگر لالے کے ہاتھ

اب ہوئی تیری ترقی مژدہ اے شورِ نشور
ضبط کو فریاد نے رکھا گرو نالے کے ہاتھ

عشق کی گرمی سے کیوں کر جل نہ جاویں استخواں
آ گیا اک مُشتِ خس آتش کے پرکالے کے ہاتھ

دیکھنا بھی ہو گیا خواب و خیال اب اے ہوسؔ
روز و شب پھرتے تھے اُن کا ہاتھ میں پیالے کے ہاتھ

جوانی یاد ہم کو اپنی پھر بے اختیار آئی
ہوا دیوانوں میں جب غُل بہار آئی بہار آئی

ہوا تھا مرگ سے غافل میں کس دن جوشِ وحشت میں
صبا کیوں لے کے میرے سامنے مشتِ غبار آئی

دکھائے رنج پیری کے اجل تیرے تغافل نے
تجھے آنا تھا پہلے آہ تو انجام کار آئی

ہمارے توسنِ عمرِ رواں کے تیز کرنے کو
شمیمِ زُلف دوش بادِ صرصر پر سوار آئی

نہ پایا وقت اے زاہد کوئی میں نے عبادت کا
شبِ ہجراں ہوئی آخر تو صبحِ انتظار آئی

نہ کچھ خطرہ خزاں کا ہے، نہ احسانِ بہار اُس پر
عدم سے اپنی شاخِ آرزو بے برگ و بار آئی

ہماری دیکھیو غفلت نہ سمجھے وائے نادانی
ہمیں دو دن کے بہلانے کو عمرِ بے مدار آئی

جو ننگِ عشق ہیں وہ بوالہوس فریاد کرتے ہیں
لبِ زخمِ ہوس سے کب صدائے زینہار آئی

○

نہ پایا کھوج برسوں نقشِ پائے رفتگاں ڈھونڈے
نہ ہو ممکن پتا جن کا اُنھیں کوئی کہاں ڈھونڈے

تلاش اس طرح بزمِ عیش میں ہے بے نشانوں کی
کوئی کپڑے میں جیسے زخمِ سوزن کا نشاں ڈھونڈے

ہم اُس کے ذکر ہی سے خوش کیا کرتے ہیں دل اپنا
سہارا جیسے تنکے کا غریقِ نیم جاں ڈھونڈے

کدھر کو روٹھ کر جاتا رہا عہدِ شباب اپنا
نہ پایا اُس مسافر کو ہزاروں کارواں ڈھونڈے

مثالِ طائرِ قبلہ نُما ہے مُرغِ دل اپنا
ہمیشہ آشیاں ہی میں رہے اور آشیاں ڈھونڈے
گرہ سانسوں میں ڈالی ہے ہوسؔ افراطِ گریہ نے
نہ آہِ ناتواں آنے کو لب تک نردباں ڈھونڈے

○

رونے میں رات ہجر کی ساری گزر گئی
گزری بُری پہ یوں ہی ہماری گزر گئی
جس راہ سے گُزر مرے دلدار کا ہوا
سمجھا میں یہ نسیمِ بہاری گزر گئی
چشمک زنی سے غیر کی یاں یہ ستم ہوا
گویا کہ اپنے دل سے کٹاری گزر گئی
اتنا جو پُر غبار ہے یہ دشتِ دل ہوسؔ
یاں سے مگر کسی کی سواری گزر گئی

○

ماتھے پہ لگا صندل وہ ہار پہن نکلے
ہم کھینچ رہیں قشقہ، زُنّار پہن نکلے
اللہ رے تری شورش اے فصلِ جنوں تجھ بن
دیوانوں کی زنجیریں ہشیار پہن نکلے

عاشق کے تئیں اپنے سج اپنی دکھانے کو
ململ کا انگرکھا وہ سو بار پہن نکلے
مرغوب جنوں پائی پوشاک نہ جب کوئی
ہم جامۂ عریانی ناچار پہن نکلے
کیوں کر نہ ہوس جاوے صدقے فلک نیلی
نیلم ہی کا سب گہنا جب یار پہن نکلے

○

کیا دن تھے جب چھپ چھپ کر تم پاس ہمارے آتے تھے
کانپتے تھے بدنامی کے ڈر سے، آنسو پی پی جاتے تھے
پاؤں صبا کے، جھونکوں سے اُن کے صبح جو بہکے جاتے تھے
کچھ تو خمار تھا باقی شب کا، کچھ نیند کے وہ ماتے تھے
ہائے جوانی کیا موسم تھا، اب وہ دن یاد آتے ہیں
روٹھتے تھے ہم ہر دم اُن سے، اور وہ آکے مناتے تھے
وحشت میں جب بادیہ گردی سونپی تھی ہم نجد میں جا
سنگِ مزارِ قیس سے رو رو پہروں سر ٹکراتے تھے
اُس بُت کے عشاق گئے تھے کعبہ اُس کے تجسس میں
لے لے اُس کا نام پسِ دیوار حرم چلاتے تھے
ہائے جوانی کیا موسم تھا، اب وہ دن یاد آتے ہیں
رُوٹھتے تھے ہر دم ہم اُن سے اور وہ آکے مناتے تھے

ہائے غضب ہے مجھ وحشی کو اس موسم میں قید کیا
سُن جب شورِ فصلِ بہاراں مرغِ قفس گھبراتے تھے

ذکر کیا میں آپ کا کس سے کس کے آگے نام لیا
دشمن تھے وہ لوگ مرے جو آپ کے تئیں بہکاتے تھے

ہائے وہ پہلے چاہ کا عالم کس سے میں اظہار کروں
میں تو حجاب سے آپ خجل تھا وہ مجھ سے شرماتے تھے

اس سے ہوس ملنا مشکل تھا، پر وہ ہم سے دُور نہ تھے
اُن کے تصور ہی سے ہر دم اپنا جی بہلاتے تھے

○

تم جو غافل رہے اُلفت کے گرفتاروں سے
سر پٹک مر گئے زندان کی دیواروں سے

منزلِ ملکِ عدم ضعف نے طے ہونے نہ دی
قافلے چل بسے ہم پیچھے رہے یاروں سے

خوش قداں مردوں کو ٹھوکر سے جلا دیتے ہیں
حشر برپا ہے انھیں لوگوں کی رفتاروں سے

داغِ دل، سوزِ جگر، کاوشِ غم، دردِ فراق
بیشتر مرتے ہیں عاشق، انھیں آزاروں سے

مشعلِ آتشِ دل گرچہ نہیں تو بھی ہوس
داغ سینے کے چمکتے ہیں فزوں تاروں سے

کیا کیا نہ رنج ہم پہ ترے بن گزر گئے
اب جلد آ کہیں کہ بہت دن گزر گئے

کسریٰ کے طاق پر یہ لکھا تھا بہ آبِ زر
اس منزلِ خراب کے ساکن گزر گئے

تھے موسمِ شباب میں وحشت کے ولولے
اب کیا مزا جنوں کا کہ وہ دن گزر گئے

دیکھیں جو تیری چشم کی سحر آفرینیاں
لاکھوں ہی اپنی جان سے کاہن گزر گئے

رخصت کے وقت ہم نے ہوس آہ تو نہ کی
صدمے ہماری جان پہ لیکن گزر گئے

دامن میں کہا بھر کر، یوں لختِ جگر ہم نے
یہ باغِ محبت کے پائے ہیں ثمر ہم نے

یارانِ گزشتہ سے ملتے ہیں کوئی دم کو
اب دوش پہ باندھا ہے، اسبابِ سفر ہم نے

صیاد گیا لے جب، گلشن میں قفس اپنا
سکانِ چمن پر کی حسرت سے نظر ہم نے

منظور نہیں ہم کو معشوق کی رُسوائی
رونے کی قسم کھائی، اے دیدۂ تر ہم نے

وعدہ پہ نہ آیا تو اے دشمنِ جاں اپنی
آخر شبِ ہجراں کی، رو رو کے سحر ہم نے

نالوں پہ ہمارے تو ہنستا تو ہے خوش ہو کر
اک بے اثری میں ہی پایا ہے اثر ہم نے

سمجھانے سے یاروں کے سمجھے نہ ہوس ہم تو
الفت میں کیا آخر جی ہی کا ضرر ہم نے

○

کیا فقط قید میں گلشن کا سماں بھول گئے
ہم تو جوں بلبلِ تصویر فغاں بھول گئے

نغمہ سنجانِ چمن طرزِ فغاں بھول گئے
سُنتے ہی میری زباں اپنی زباں بھول گئے

آخر کار ملا صاف ہی قاصد کو جواب
طاق پر رکھ کے مرے خط کو بتاں بھول گئے

○

ہجر میں کیا دلِ غم دیدہ کو بیتابی ہے
شبِ تاریک ہے، تنہائی ہے بیخوابی ہے

توشۂ راہِ عدم نیک عمل ہے سو کہاں
سفر دور ہے اور افراطِ کم اسبابی ہے

ڈھونڈھے ہے مہر و وفا کیوں دلِ ناداں میرا
شہرِ خوباں میں تو اس جنس کی نایابی ہے

رونق افزائے چمن کون ہوا جس سے ہوسؔ
وہ جو پژمردہ تھے گُل، اُن پہ بھی شادابی ہے

○

یہ منزلِ فانی بھی عجب لُطف کی جا ہے
جو یاں سے چلا ہے اُسے ارمان رہا ہے

دل جن کے ہیں نازک غمِ عشق اُن کو بلا ہے
گُل کے لیے زنجیرِ گراں موجِ ہوا ہے

نے ہجر سے شکوہ مجھے نے یار کی خُو سے
مجھ کو تو فقط اپنی ہی قسمت کا گِلا ہے

چاہا ہے تمھیں واقعی تقصیر ہوئی ہے
جو کچھ کہو تم حق میں مرے سب وہ بجا ہے

آئی ہے اک آوازِ قدم جنبشِ دل سے
شاید مرا قاصد ترے کوچے سے چلا ہے

بے عشق ہوسؔ دل کو نہ تھی اتنی اذیّت
کیا بیٹھے بٹھائے ہمیں یہ روگ لگا ہے

○

ہجر کی رات ہم پہ بھاری ہے
حالتِ اضطرار طاری ہے

حالِ بیمارِ عشق مت پوچھو
اب تو ہر دم نفس شماری ہے

پہنچی شاید شبِ وصال قریب
خود بخود دل کو بیقراری ہے

عشق میں دیکھو صنعتِ فرہاد
سنگ سے جوئے شیر جاری ہے

ناقہ ٹھہرا ذرا تو اے لیلیٰ
قیس نالاں پسِ عماری ہے

آہ کیوں کر زباں کو بند کروں
زخمِ شمشیرِ عشق کاری ہے

ہو نہ غافل سرائے دنیا میں
چیرت یہ جائے ہوشیاری ہے

ان دنوں اے ہوسؔ مرے ہمراہ
نالہ و درد، آہ و زاری ہے

○

عالم کی زباں اوپر گو قصۂ مجنوں ہے
افسانۂ رسوائی اپنا بھی تو موزوں ہے

بال اس لیے ہیں سر پر آشفتہ و ژولیدہ
مجنوں کی سیہ بختی گردِ سرِ مجنوں ہے

آشوبِ دو عالم ہے رونا ترے عاشق کا
ہر قطرے میں دریا ہے، ہر اشک میں جیحوں ہے

لے جلد خبر پیارے، ان روزوں ہوسؔ تیرا
مفتون و جگر خستہ، دل دادہ و محزوں ہے

نیند بھر کوئی نہ سویا مرے زنداں میں کبھی
صُلح اک دم نہ ہوئی دست و گریباں میں کبھی

قیس و فرہاد نہیں، ہائے میں کس سے پوچھوں
نیند آتی ہے کسی کو شبِ ہجراں میں کبھی

باغباں باقی ہے اب بھی کوئی تنکا کہ نہیں
آشیاں ہم نے بنایا تھا گلستاں میں کبھی

چشمِ اصلاح ہے بعد اپنے زباں دانوں سے
غلطی نکلے ہوسؔ گر مرے دیواں میں کبھی

ہوئے آج بوڑھے جوانی میں کیسا تھے
جب اُٹھتے تھے زانو سے ہاتھ آشنا تھے

جہاں کی تو ہر چیز میں اک مزا تھا
نہ سمجھے کہ کس شے کے ہم مُبتلا تھے

نہ کافر سے خُلّت، نہ زاہد سے اُلفت
ہم اک بزم میں تھے پہ سب سے جُدا تھے

نہ تھا میرے جنگل میں آزاد کوئی
بگولے بھی پابندِ زُلفِ ہوا تھے

مزارِ غریباں تاسف کی جا ہے
وہ سوتے ہیں پھرتے جو کل جا بجا تھے
بنا کر بگاڑا ہمیں کیوں جہاں میں
یہ سب حرف کیا سہو کاتبِ قضا تھے
کیے آخری نالے دو چار میں نے
وہی نالے بانگِ شکستِ درا تھے
حقیقت کو ابنائے عالم کی دیکھا
یہ سب جو فروشانِ گندم نما تھے
خدا جانے دنیا میں تھی کس کو راحت
ہوس ہم تو جینے سے اپنے خفا تھے

چھٹ کے ہم شب گل رخوں سے انجمن میں رہ گئے
نکہتِ گل کی طرح پنہاں چمن میں رہ گئے
ترکِ چشمِ یار نے لی تیغ ابرو دوش پر
موئے گیسو کب کے پیچھے بانکپن میں رہ گئے
کام آخر شمع کا بھی جلد کر اے سوزِ عشق
راکھ ہو کر لاکھ پروانے لگن میں رہ گئے
خوبیٔ قسمت ہے چھوٹے تب قفس سے ہم اسیر
چند گل پژمردہ باقی جب چمن میں رہ گئے

شامِ غربت خندہ زن ہے تیرہ بختی پر ہوس
ہم مسافر آ کے گردونِ وطن میں رہ

○

مر گیا غصّے میں حاجت بھی نہ تھی تلوار کی
کیا میری موت بھی مرضی میں مرے سرکار کی تھی
یادِ ایّام توانائی و آغازِ جنوں
وہ بھی کیا دن تھے کہ طاقت ہمیں رفتار کی تھی
گر نہ تھا دل کے تڑپنے کے مزے سے آگاہ
روزِ خواہش اُسے کیوں تازہ گرفتار کی تھی

○

کبھی زُلف دن کو جو کھول دی تو نمود ہے شبِ تار کی
جو نقاب شب کو اُلٹ دیا، تو سحر ہے فصلِ بہار کی
گل و نسترن سے جُدا ہے کچھ، وہ جو بو ہے گیسوئے یار میں
نہ مہک یہ عنبر و عُود میں، نہ لپٹ یہ مُشکِ تتار کی
کسے حالِ زار دکھاؤں میں، کسے ڈھونڈھوں میں کہاں جاؤں میں
وہ غریب ہوں کہ خبر نہیں، جسے اپنے یار و دیار کی

○

○

کب تک تری شوخی سے شوخی کو حجاب آوے
اے فتنۂ بیداری تو سوئے تو خواب آوے
گلشن میں بہکتا وہ، گر مستِ شراب آوے
لغزش کو تو لغزش ہو، مستی کو حجاب آوے
لکھتے ہو عبث یارو، اب حال مرا اُس کو
یاں کام ہی آخر ہے جب تک کہ جواب آوے
مُجھ سا جو کوئی میکش آوے لبِ دریا پر
ساغر میں حبابوں کے، بوئے مئے ناب آوے
ان صومعہ والوں کو خودداری کا دعوے ہے
مسجد کی طرف یارب وہ مستِ شراب آوے
گر تابشِ خور سے وہ چہرہ عرق افشاں ہو
کرنے کے لیے سایہ اُس گل پہ سحاب آوے
اُس گُل کا تصوّر ہے، اور گوشۂ تنہائی
اغلب کہ ہوس تجھ کو، اس رات نہ خواب آوے

○

زاہد کا دل نہ خاطرِ میخوار توڑیئے
سو بار توبہ کیجیے سو بار توڑیئے

ہو حکمِ باغباں تو پئے بلبلِ اسیر
پژمردہ پھول باغ سے دو چار توڑیئے

آزادی میں بھی یاں تو اسیری ہے جی کے ہاتھ
زنداں کی کس اُمید پہ دیوار توڑیئے

اسرارِ عشق مرنے تلک منکشف نہ ہو
مُہرِ سکوت مُنہ سے نہ زنہار توڑیئے

میں نیم جاں رہا تو نزاکت کا تھا قصور
جھنجھلا کے آپ اپنی نہ تلوار توڑیئے

سر رشتۂ عشق کا ہے جُدا سب سے اے ہوسؔ
تسبیح پھینک دیجیے، زُنّار توڑیئے

○

عہدِ گُل میں جو ترے حُسن نے دکھلائی بہار
گُل فروشوں کی خریدار دُکاں بھُول گئے

سرکشی کرتے ہیں اتنی جو نہالانِ چمن
کیا مگر آفتِ تاراجِ خزاں بھُول گئے

ہائے ہم کس سے کہیں طولِ اسیری کا بیاں
نہ رہی یادِ بہار اور خزاں بھُول گئے

دل شکستہ میں رہا کارگہِ دُنیا میں
جوڑنا اس کا زبس شیشہ گراں بھُول گئے

شبِ ہجراں میں ہیں آثارِ سحر ناپیدا
شاید اس رات مؤذن بھی اذاں بھول گئے
دردِ دل کہنے لگے اُس سے جو ہم رات ہوس
سیکڑوں حرف خوشامد کے میاں بھول گئے

ہے سُرخ لہو سے مژۂ چشمِ تر ایسی
سُرخی نہیں دیکھی رگِ گلبرگ پر ایسی
اشکوں کی دکھاتی ہے لڑی چشمِ تر ایسی
یہ لُطف نہ شبنم میں نہ سلکِ گہر ایسی
تاثیر نہ ہو جس کی ذرا دل میں کسی کے
کیا لُطف کوئی آہ بھرے بے اثر ایسی
گر دستِ خیال اُس کو لگے تو وہ لچک جائے
مانا ہے رگِ گل سی وہ نازک کمر ایسی

ڈرتا ہوں خدا خیر کرے دیکھیے کیا ہو
کچھ ہوش نہیں میں نے سُنی ہے خبر ایسی
مشہور ہے کل صُبح وہ جاوے گا سفر کو
مجھ کو تو خُدایا نہ دکھانا سحر ایسی
پھر اُس نگہِ گرم نے سرگرم کیا ہے
سوزش تو نہ رکھتا تھا یہ داغِ جگر ایسی
ہوتا ہوں غُلام اُس کا ہوس میں دل و جاں سے
تصویر دکھاوے کوئی مجھ کو اگر ایسی

طاقتِ رنج و تعب ہم میں کہاں باقی ہے
اک شمارِ نفس اے ہمنفساں باقی ہے
آبلہ پا ہیں جو سب رہ روِ عالم یا رو
کیا تہہِ خاک کوئی سوختہ جاں باقی ہے
اپنے واماندہ کی لے جلد خبر اے لیلیٰ
کہ پسِ قافلہ زنجیر کشاں باقی ہے

تا کے فراقِ یار میں رنج و تعب رہے
کیا لُطف زندگی کا اگر جاں بلب رہے
اے چشمِ حیرت اُس کی طرف ٹکٹکی نہ باندھ
مرنے تلک ضرور ہے پاسِ ادب رہے

ہوئے عازمِ مُلکِ عدم جو ہوس تو خوشی یہ ہوئی تھی کہ غم سے چھٹے
پہ فراغ الم سے نہ واں بھی ملا، وہاں غم یہ رہا کہ وہ ہم سے چھٹے
کبھی دیر میں تھے کسی بُت پہ فدا، کبھی کعبے میں کرتے تھے جا کے دُعا
ترے کوچے میں بیٹھے تو خوب ہوا کہ کشاکشِ دیر و حرم سے چھُٹے
یہی کہتی تھی لیلیٰ پردہ نشیں کہ فراق کی اسے تاب نہیں
ملوں اس سے میں تا مرا قیس حزیں غمِ ہجر کے درد و الم سے چھُٹے
طلب اُس کی موئے پہ بھی رکھتے تھے ہم کہ وہ رشکِ گُل از رہِ لُطف و کرم
رکھے خاک پر بھی جو ہماری قدم کبھی پاؤں نہ نقشِ قدم سے چھُٹے

میں ہوا بھی جو بسمل تیغِ جفا، ولے باقی ہے دل میں ابھی تو وفا
کہ یقیں ہے لہو مرا جائے حنا، جو لگے تو نہ پائے صنم سے چھٹے
کیوں نہ شاکی ہوں بختِ سیاہ سے ہم کہ وہ معدنِ شفقت و لطف و کرم
کرے نامۂ شوق جو ہم کو رقم تو سیاہی نہ نوکِ قلم سے چھٹے
ہوئے خوف سے گوشہ گزیں عسس گیا سینہ پلنگِ فلک کا بھلس
شبِ ہجر میں یارو بغیر ہوس مرے نالے جو شیرِ اجم سے چھٹے

○

کاش یارب اُس کو چوری ہی سے اک دم دیکھیے
جان آنکھوں میں ہے کب تک ہجر کا غم دیکھیے
لاگ حُسن و عشق کی موقوف ملنے پر نہیں
ہو زیادہ شوق جتنا یار کو کم دیکھیے
میری حیرانی پہ کیا ہنستے ہو میں تو محو ہوں
آئینے میں اپنے ٹک مکھڑے کا عالم دیکھیے
ہے بہارِ آخر چمن کی، بلبلوں سے جا کے صبح
رخصتِ گُل خوب رو رو مثلِ شبنم دیکھیے
وہ بھی تو غم سے مرے گھلتا ہے پردے میں ہوس
رشک تب آوے جب اُس کو شاد و خرم دیکھیے

دل میں اک اضطراب باقی ہے
یہ نشانِ شباب باقی ہے

کیا مزا ہو جو کسی سے تجھے اُلفت ہو جائے
جی کڑھے، فکر رہے، میری سی حالت ہو جائے

تیرا بیمار دمِ نزع یہ مانگے تھا دعا
دیکھ لوں پھر اُسے گر تھوڑی سی مہلت ہو جائے

جائیو مت تو صبا باغ سے زنداں کی طرف
مجھ کو ڈر ہے نہ اسیروں پہ قیامت ہو جائے

اے دل اک دن تو گزر کر طرفِ اہلِ قبور
تاکہ دیکھے سے اُنھوں کے تجھے عبرت ہو جائے

دیکھ تصویر کو مجنوں کی ہوس رشک نہ کر
چاہیئے عشق میں تیری بھی یہ صورت ہو جائے

کہیں کیا جو دُنیا سے ہم لے چلے
غم و درد و رنج و الم لے چلے
عدم ہی کے رہرو مسافر تھے ہم
سرائے جہاں میں بھی دم لے چلے

شب فرقت کو کاٹیں ہیں ہوس آنکھوں میں ہم اُس بن
کوئی کیسا جانتا ہے ہم پہ کیا بیداد ہوتا ہے

میں کیا کہوں جو قیصر و خاقان لے گئے
لاکھوں جہاں سے ساتھ یہ ارمان لے گئے
کیا اُن کو بھی جنوں تھا جو مہکائے بوستاں
نابت نہ اس چمن سے گریبان لے گئے
تازہ ہوا پھر از سرِ نو کو داغِ قیس
ناحق ہوس کو سوئے بیابان لے گئے

اب شہر میں رہنا مجھے دشوار ہوا ہے
پابوسی کا مشتاق ہر اک خار ہوا ہے
آتا ہے نظر صورتِ تصویرِ خیالی
کاہیدہ یہ مجنوں کا تنِ زار ہوا ہے
کیوں کر نہ بھرے کُفر کا دم بُلبُلِ شیدا
رشتہ رگِ گُل کا اُسے زُنّار ہوا ہے
کیا پھر کوئی فرہاد کیا عشق نے پیدا
آغشتہ بخوں دامنِ کُہسار ہوا ہے

ہوس شکوہ نہیں کچھ شوخیٔ رفتارِ خوباں سے
یہ میری بے قراری خاک میں مجھ کو ملاتی ہے

○

روتی ہے شمع بزم میں ہر دل اُداس ہے
یہ کون اُٹھ گیا ہے کہ محفل اُداس ہے

○

نہ ہوا نامۂ مضمونِ تمنّا پورا
قلمِ شوق نے لکھ کر کئی دفتر کاٹے

○

صدقے مزاجِ یار کے شرم و دمِ عتاب ہے
آنکھوں میں میل برق ہے شوخی ہے اور حجاب ہے

قفس کو چھوڑ کر جانا بہت آسان تھا ہم کو
پہ یہ غم ہے کہ ویراں خانۂ صیاد ہوتا ہے

نہیں ممکن کہ اُس کی چینِ ابرو ایک دم بھولے
الٰہی کیا کروں جاؤں کہاں کیونکر یہ غم بھولے
قضا نے گو جدا تم سے کیا پر یہ غنیمت ہے
وہی یادیں رہیں دل میں نہ تم بھولے نہ ہم بھولے
نہیں ہے تم میں مے پینے کی طاقت میں نہ کرتا تھا
لگے گرنے، خرامِ ناز پہلے ہی قدم بھولے

غرورِ حُسن کو کس نے بتوں کے دی یہ مختاری
کبھی بیت الصنم توڑے، کبھی راہِ حرم بھولے

ڈرے کو وعظ سے اے زاہدو ناحق ڈراتے ہو
کرو وہ ذکر جس میں دو گھڑی جی بہلے غم بھولے

بہت دیکھا مجھے آخر کہا شاید ہوس ہے تو
بڑے عرصے میں پہچانا، مجھے بھولے پہ کم بھولے

○

شادی و غم جہاں میں توام ہے
لیک غم ہے بہت، خوشی کم ہے

کچھ دو عالم سے ہم کو کام نہیں:
اب ہمارا کچھ اور عالم ہے

نہیں واقف مزے سے تم غم کے
تم کو دل رنگاں کا کیا غم ہے

تاب طاقت تو ہو چکی رُخصت
باقی اک ناتوان سا دم ہے

تیرے کُشتے کا خوں گرا تھا جہاں
لالہ گوں واں کی خاک سب نم ہے

زخم دل کا تو ہو گیا ناسور
کس کو اب آرزوئے مرہم ہے

یہ پسینا ہے اُس کے عارض پر
یا پڑی برگِ گُل پہ شبنم ہے
پوچھو بُلبُل کے نالے کا نہ سبب
رُخصتِ گُل کا اُس کو ماتم ہے
نہ کریں کیوں وہ اس میں سیرِ جہاں
دل ہوس کا بھی ساغرِ جم ہے

○

جگر میں کاوشِ مژگانِ یار باقی ہے
مرے اس آبلے میں نوکِ خار باقی ہے
تمام عمر نہ کی آہ، وقتِ مرگ بھی میں
کروں گا ضبط اگر اختیار باقی ہے
کھُلی جو رہ گئی ہیں آنکھیں تیرے کُشتہ کی
کسی کا اُس کو مگر انتظار باقی ہے
ہوئے ہیں رہروِ ملکِ عدم نظر سے نہاں
فقط جہاں میں نشانِ مزار باقی ہے
اگرچہ نم نہیں آنکھوں میں لیکن اس پر بھی
تراوشِ مژۂ اشکبار باقی ہے
فشار مجھ کو زمانہ تو دے چکا کب کا
زمینِ قبر کا اب اک فشار باقی ہے

اُڑائی خاک یہ مجنوں نے غم میں لیلیٰ کے
کہ کوہِ نجد میں اب تک غبار باقی ہے
ہوسؔ خفا نہ ہو، ظاہر میں ہے وہ تجھ سے خفا
میں دیکھا دھیان سے، آنکھوں میں پیار باقی ہے

○

دیکھیں کیا اب کے اسیری ہمیں دکھلاتی ہے
لوگ کہتے ہیں کہ پھر فصلِ بہار آتی ہے
غش چلا آتا ہے اور آنکھ مُندی جاتی ہے
ہم کو کیا کیا مری بے طاقتی دکھلاتی ہے
کیا سُنا اُس نے کہیں رُخصتِ گُل کا مذکور
عندلیب آج قفس میں پڑی چلاتی ہے
طائرِ روح کو پرواز کا ہر دم ہے خیال
قفسِ تن میں مری جان یہ گھبراتی ہے
دیکھ روتے مجھے، ہنس ہنس کہے جانا ہر دم
جان سے مجھ کو تو تیری یہ ادا بھاتی ہے
بزمِ ہستی میں تو بیٹھا ہے ہوسؔ کیا غافل
کچھ جو کرنا ہے تو کر، عمر چلی جاتی ہے

○

رُباعیات

کیا حال ہوس کا میں کہوں تجھ سے آہ
غم میں ترے یار اُس کی حالت ہے تباہ
روتا ہے کبھی، ہنس کے کبھی کہتا ہے
کیا عشق میں بھی مزا ہے سُبحان اللہ

○

جس جا مجھے ملتا ہے مرا غیرت ماہ
ہرگز وہ ملاتا ہی نہیں مجھ سے نگاہ
پر اُس سے ہوس کسی گلی کوچے میں
بارے کبھی ہو جاتی ہے اللہ اللہ

○

رہتے ہیں تجھے غیر جو ہر دم گھیرے
ہرگز نہیں آتا چین جی کو میرے
بیتابیٔ دل جہاں تلک ہے پیارے
کرتا ہوں ترے کوچے میں سو سو پھیرے

○

ہجراں کے الم میں اشک باری نہ کرو
فریاد و فغان و آہ و زاری نہ کرو
ٹک رحم کرو دل پہ ہوسؔ بہرِ خدا
حد سے تو زیادہ بے قراری نہ کرو

○

کیوں کر دلِ ناشاد کو ہم شاد کریں
کیا کیا ہَولیں، کسے کسے یاد کریں
مجبور ہیں، اختیار خواہش پہ نہیں
مُختار ہیں چُپ رہیں کہ فریاد کریں

○

میں مستِ مئے الست کس قابل تھا
کس روز بھلا کہنے میں میرا دل تھا
مل جائے تو پوچھوں اپنے صانع سے ہوسؔ
کیا میرے بتانے سے تجھے حاصل تھا

○

فریاد کا کب دماغ کو یارا ہے
دل میں نے قمارِ عشق میں ہارا ہے
دعویٰ کروں کس سے، خوں ہو ثابت کس پر
قاتل نے نہاں ہو کے مجھے مارا ہے

ہوتا میں اگر تیری طرح محرمِ راز
کرتا نہ کبھی ہستیٔ موہوم پہ ناز
زاہد تو ہوا میرے گناہوں کا شریک
کیوں مجھ کو سنایا درِ رحمت ہے باز

جن کا تھا جوانی میں بھروسا ہم کو
سب چھوڑ گئے پیری میں تنہا ہم کو
وہ ولولے وہ ترنگیں، مستی وہ کہاں
دشوار ہے اب تو سانس لینا ہم کو

○

مجموعۂ ہستی تو پریشانی ہے
گر سوچو، تو حیرانی ہی حیرانی ہے
ہے اپنی حقیقت کا سمجھنا مشکل
دانائی پہ ناز، عینِ نادانی ہے

○

لڑکوں کے ہمیں کھیل مزا دیتے ہیں
دُنیا کی فنا یاد دِلا دیتے ہیں
پائی جاتی ہے، بے نیازی کی شان
آپ اپنے گھروندوں کو مٹا دیتے ہیں

○

یارانِ گزشتہ لامکاں تک پہنچے
واماندہ نہ گرد کارواں تک پہنچے
گزری جو شے پھر اُس کا آنا معلوم
ممکن ہے ہوائے لب زباں تک پہنچے

○